خواجہ میر درد

(۱)

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے　　جس لیے آئے تھے ہم سو کر چلے
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے　　ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شمع کی مانند ہم اس بزم میں　　چشم نم آئے تھے دامن تر چلے
جوں شرر اے ہستیِ بے بود یاں　　بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے
ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

(۲)

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا　　برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ　　کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا
اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں　　ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں　　کبھو تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بے گانگی میں　　کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم　　کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے دردؔ درپے ہو اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

لفظ و معنی

تہمت	۔	الزام، بہتان
مانند	۔	جیسا، مطابق، ہو بہو
بزم	۔	محفل، مجلس، سبھا
چشم	۔	آنکھ
شرر	۔	آگ کی چنگاری
بارے	۔	لیکن، آخر
ہستی بے بود	۔	بے وجود، ایسی ہستی جس کی کوئی وقعت نہ ہو
تلک	۔	تک
جلوہ	۔	نظارہ، صورت، نمائش کرنا
دل گرفتہ	۔	غمگین، مغموم، عاشق
کسو	۔	'کسی' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں یہ انداز تھا۔
کبھو	۔	'کبھی' کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اردو کے ابتدائی دور میں یہ انداز تھا۔
اذیت	۔	دکھ، تکلیف
سرو چراغاں	۔	سرو ایک درخت ہے جو سیدھا مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔ سرو چراغاں سے مراد وہ جھاڑ ہے جو سرو کی طرح ہوتا تھا اور محفلوں میں روشن کیا جاتا تھا۔
یگانہ	۔	بے مثال، بے نظیر، واحد، اکیلا
حجاب	۔	پردا
شب و روز	۔	رات دن
رخ یار	۔	دوست کا چہرہ، محبوب کا چہرہ

آپ نے پڑھا

- آپ نے درد کی دو غزلیں پڑھیں۔ درد جس زمانے کے شاعر تھے اس میں غزل گوئی کا ایک رجحان عشق حقیقی یا تصوف کا بھی تھا جس سے درد بھی تعلق رکھتے تھے۔

- درد ایک صوفی تھے اور ان کے دل میں اللہ اور اس کے بندوں کی محبت بھری ہوئی تھی۔ اس محبت اور دردمندی کا درد کی غزلوں میں کھل کر اظہار ہوا ہے۔
- صوفی کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات ہی اصل ہے اور باقی ساری چیزوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مگر دنیا کی ہر شئے میں اس کے بنانے والے یعنی اللہ کا جلوہ موجود ہے انسان دنیا میں رہتا ہے تو خدا کا جلوہ دیکھنے کے لیے بے چین رہتا ہے۔ اس کا وجود ایک ایسے قطرے کی طرح ہے جو دریا (یعنی اپنے اصل) سے ملنے کے لیے بے قرار ہو۔ اگر وہ اللہ سے نہ مل سکے تو اس کی ہستی بے معنی ہے۔ اور اللہ سے وصال ہی اس کے لیے راحت کا سبب ہے۔ یہی وہ باتیں ہیں جو درد نے ان غزلوں میں الگ الگ انداز سے بیان کی ہیں۔ انداز بیان بہت سادہ اور رواں ہے۔
- پہلی غزل میں درد نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ انسان جب دنیا میں آتا ہے تو اپنی آمد کے مقصد کو بھول جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا میں پھنس کر چند الزامات اپنے سر لے لیتا ہے اور ناپائیدار دنیا سے رخصت ہوتے وقت گناہوں کا شکار ہو کر جاتا ہے۔ دوسری غزل میں شاعر نے عشق الٰہی کی مختلف کیفیتوں کو پیش کیا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ ایک سچے عاشق (صوفی) کی اپنے محبوب (اللہ) سے جدائی کے سبب کیا حالت ہوتی ہے۔
- درد کی ان غزلوں میں ان کے صوفی ہونے کے اثرات نمایاں ہیں۔

آپ بتائیے

1. شاعر نے ان غزلوں میں کس کی باتیں کی ہیں اور کس کو مخاطب کیا ہے؟
2. عشق مجازی اور عشق حقیقی کا کیا مطلب ہے؟ درد کے یہاں عشق کی کون سی صورت موجود ہے؟
3. 'تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا' - یہ بات شاعر نے کس کے لیے کہی ہے اور کیوں کہی ہے؟
4. 'حجابِ رخِ یار تھے آپ ہی ہم'۔ اس مصرع کا کیا مطلب ہے؟
5. کون سی ایسی ذات ہے جس کی مثال ملنی ناممکن ہے؟
6. پہلی اور دوسری غزل میں آپ کے خیال سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟
7. درد کی غزلوں کا انداز بیان کیسا ہوتا ہے؟

مختصر گفتگو

1. درد کا تعلق تصوف کے کس سلسلے سے تھا؟

(الف) فردوسیہ　　(ب) چشتیہ　　(ج) نقشبندیہ　　(د) ان میں سے کوئی نہیں

2. دردؔ کی پیدائش کہاں ہوئی؟

(الف) دہلی　　(ب) پٹنہ　　(ج) لکھنؤ　　(د) بخارا

3. دردؔ نے کتنے برس کی عمر میں پہلا رسالہ تصنیف کیا؟

(الف) پندرہ　　(ب) بیس　　(ج) پچاس　　(د) ساٹھ

1. دردؔ کی شاعری اردو کے علاوہ اور کس زبان میں ہے؟

(الف) عربی　　(ب) فارسی　　(ج) ترکی　　(د) انگریزی

1. دردؔ کے اسلاف کہاں سے دہلی آئے تھے؟

(الف) افغانستان　　(ب) ترکی　　(ج) بخارا　　(د) پاکستان

تفصیلی گفتگو

1. دردؔ کی غزل گوئی کی اہم خصوصیات مختصراً لکھیے۔
2. دردؔ کے حالاتِ زندگی چند جملوں میں لکھیے۔
3. دردؔ کی کسی ایک غزل کے تین اشعار اپنی یادداشت سے لکھیے۔
4. دردؔ کے درج ذیل شعر کی تشریح کیجیے۔

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا　　برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استادوں یا دوستوں سے تصوف کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔
2. دردؔ کی جو غزلیں آپ کے نصاب میں ہیں، ان کے علاوہ کوئی غزل تلاش کر کے اپنی کاپی پر نوٹ کیجیے۔
3. دردؔ کے زمانے میں جو دوسرے شعرا غزلیں کہہ رہے تھے ان کا نام اپنے استاد سے پوچھیے۔

اقبالؔ

شیخ محمد اقبال نام اور اقبالؔ تخلص تھا۔ والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ ان کے آبا و اجداد کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے ایک خانوادے سے تھا جس نے ایک مسلمان بزرگ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔

اقبالؔ 1877ء میں سیالکوٹ (ضلع لاہور، موجودہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ اردو کے علاوہ سنسکرت، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں سے واقفیت حاصل کی۔ ایم۔ اے کرنے کے بعد کچھ دنوں اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھاتے رہے۔ 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلینڈ گئے جہاں سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ پھر جرمنی سے ایرانی تصوف کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انگلینڈ میں اسلام کے موضوع پر کچھ لکچر دیے اور لندن یونی ورسٹی میں کچھ ماہ تک عربی کا درس دیتے رہے۔ جولائی 1908ء میں لاہور واپس آئے اور ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی مگر کچھ دنوں بعد یہ کام چھوڑ دیا۔ اپریل 1938ء میں طویل علالت کے بعد وفات پائی اور لاہور میں مزار بنا۔ حکومت نے زندگی میں ہی 'سر' کا اور عوام نے ان کی زبردست علمی و ادبی صلاحیت اور خدمات کی بنیاد پر 'علامہ' کا خطاب دیا۔

اقبالؔ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ نظمیں بھی لکھی ہیں اور غزلیں بھی کہی ہیں۔ ان کی شاعری کے مجموعے اردو میں 'بانگ درا'، 'بالِ جبریل'، 'ضربِ کلیم' اور 'ارمغانِ حجاز' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ فارسی میں 'پیامِ مشرق' اور 'اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی' ان کے مجموعے ہیں۔ ایک اہم کتاب 'تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ' بھی ہے۔

اقبالؔ ایک ایسے شاعر ہیں جن کا کلام اردو کے علاوہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی شائع ہوا ہے اور اب تک ترجمہ ہو رہا ہے۔ ان کی شخصیت اور شاعری سے متعلق سیکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور نئے نئے زاویوں سے ان کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود ان کے بارے میں عام طور سے یہ مانا جاتا ہے کہ وہ صرف شاعر نہیں تھے بلکہ قوم کی اصلاح کرنے کا جذبہ بھی دل میں رکھتے تھے اور وطن کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ ان کی شاعری میں فکر و فلسفہ کی جو گہرائی ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ وہ شاعری کے وسیلے سے پیغام دینا چاہتے تھے۔ ان کی نظموں میں یہ صورت زیادہ نمایاں ہے مگر غزلیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔ اس اعتبار سے غزل گوئی میں بھی اقبالؔ کا ایک منفرد انداز ہے۔ خاص طور پر 'بالِ جبریل' کی غزلوں میں فکر و فلسفہ اور پیغام عمل کے ساتھ فنی حسن کا جو نمونہ ملتا ہے وہ بے مثال ہے۔